ذیل کے مقالہ میں منکرین حدیث کے یہ تینوں اقسام پیش نظر رہے ہیں۔

وحی خفی کا ثبوت | ۱ - وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقِبَيْهِ (پ۲ - سورہ البقرہ آیت ۱۴۳) "اور نہیں بنایا تھا ہم نے اس قبلہ کو جس پر آپ تھے مگر اس لیے کہ ہم ظاہر کر دیں (چھانٹ دیں) اس کو جو رسول کی پیروی کرتا ہے ان لوگوں سے جو اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاتے ہیں۔

اس آیت میں لفظ وَجَعَلْنَا بتلا رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی ابتدائی زندگی میں خدا کے حکم سے ہی بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا تھا۔ لیکن یہ حکم قرآن میں کہیں نہیں ملتا ظاہر ہے کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے وحی خفی کے ذریعے آپ کی رہنمائی فرمائی تھی۔

۲ - وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ (سورہ تحریم آیت ۳) "اور جب نبی نے اپنی ایک بیوی سے راز کی بات کہی پھر اس (بیوی) نے (بات) ظاہر کر دی اور اللہ تعالیٰ نے اس (بیوی کے طرز عمل سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کر دیا۔ تو آپ نے اس بات کا کچھ حصہ بتلا دیا اور کچھ حصہ سے اعراض کیا۔ پھر جب آپ نے اس بات کی بیوی کو خبر دی تو اس نے کہا آپ کو کس نے خبر دی، آپ نے فرمایا مجھے علیم و خبیر نے آگاہ کیا ہے۔"

اس آیت میں اظهره الله عليه اور نبانی العلیم الخبیر یہ دو جملے زیر نظر مسئلے میں قابل غور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر کس طرح ظاہر کیا۔ علیم و خبیر کے اطلاع دینے کی نوعیت کیا تھی۔ اس کی تفصیل قرآن میں ہمیں نہیں ملتی۔ ماننا پڑے گا کہ قرآن کے علاوہ وحی کی کوئی دوسری شکل بھی تھی جسے یہاں اظهره الله عليه اور نبانی العلیم الخبیر سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔

۳ - إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (پ۲۹ - سورۃ القیامہ)

اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ قرآن مجید کی جمع و ترتیب کا کام اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب وہ نہیں ہے جو نزول کے وقت اختیار فرمائی گئی تھی۔

نیز یہ بھی امر واقع ہے کہ قرآن کی موجودہ جمع و ترتیب کی شکل خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق ظہور میں آئی تھی۔ اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی قرآنی حکم کی بنا پر تنزیلی ترتیب کو بدلا گیا تھا یا اس کی کوئی دوسری نوعیت تھی۔ ظاہر ہے کہ قرآن میں اس بارے میں کوئی حکم موجود نہیں ہے۔ اب آیت اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ کی روشنی میں اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ کہ قرآن کی موجودہ ترتیب وحی خفی کی رہنمائی سے وجود میں آئی ہے۔

۴۔ (الف) وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا (پ۶۔ مائدہ ۵۸) "اور جب تم نماز کی طرف (بلانے کے لیے) اذان دیتے ہو تو وہ (مشرکین) اُسے کھیل کود بنا لیتے ہیں"

(ب) اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (پ۲۸ سورۃ الجمعہ ۹) جب جمعہ کے دن نماز کے لیے ندا (اذان) دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو"۔ ان دونوں آیات میں نماز جمعہ اور عام نمازوں کے لیے ندا (اذان) کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن قرآن میں اس بارے کوئی حکم یا کسی قسم کی تفصیلات نہیں ملتیں۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ یہاں وحی خفی کے ذریعہ آپ کی رہنمائی فرمائی گئی ہے۔

۵۔ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ (پ۲۔ سورۃ البقرہ۔ آیت ۲۳۹)

اس آیت سے قبل بیان ہوا ہے کہ اگر خوف کی حالت ہو تو نماز جس طرح ممکن ہو پڑھ لو، پیادہ ہو یا سواری پر۔ اب اس آیت میں ارشاد ہو رہا ہے کہ جب امن کی صورت ہو تو اللہ کو یاد کرو یعنی نماز پڑھو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم کو تعلیم دی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تعلیم قرآن میں تو ہے نہیں، لامحالہ ماننا پڑے گا کہ سنت میں نماز کے بیان کردہ نقشہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی ہی طرف منسوب فرمایا ہے اور اس کا ذریعہ وحی خفی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

اُسوہ حسنہ کے حجت ہونے پر قرآن کی محکم شہادتیں

(۱) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (پ۵ سورہ نساء آیت ۵۹)

اس آیت میں مندرجہ ذیل امور قابل غور ہیں۔

(الف) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دیتے ہوئے امر کا صیغہ اطیعوا بار بار دہرایا گیا ہے۔

لیکن اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیتے ہوئے بجائے لفظ اَطِیْعُوْا تیسری بار دہرانے کے صرف واؤ عاطفہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔ انداز بیان کا یہ فرق صاف واضح کر رہا ہے کہ اولی الامر کی اطاعت کو وہ مقام حاصل نہیں ہے جو اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کو حاصل ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت دائمی اور غیر مشروط ہے لیکن اولی الامر کی اطاعت عارضی اور مشروط ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اپنی جگہ پر کوئی امتیازی مستقل حیثیت نہیں رکھتی تو پھر لفظ اطیعوا کا دوبارہ لانا بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔

(ب) فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ

اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عوام اور اولی الامر یا عوام کے مختلف گروہوں یا افراد کے درمیان کسی معاملہ میں نزاع برپا ہو جائے۔ تو فیصلہ کے لیے آخری سند (

صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس آیت نے واضح کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا قرآنی مطالبہ ایک الگ جداگانہ درجہ رکھتا ہے اور اولی الامر کی اطاعت کی حیثیت دوسری ہے۔ رسول کی اطاعت کو یہ کہہ کر ختم نہیں کیا جا سکتا۔ کہ رسول کی اطاعت کا مطالبہ صاحبِ امر کی حیثیت سے کیا جا رہا ہے اگر امر واقعہ یہی ہوتا تو قرآن کا اندازِ تخاطب یہ ہونا چاہیے تھا۔ اطیعوا اللہ واطیعوا اولی الامر منکم پھر رسول کو درمیان میں لانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟

(ج)۔ اللہ تعالیٰ تک ہم براہِ راست نہیں پہنچ سکتے اس کی اطاعت کے معنی یہ ہیں کہ اس کے کلام قرآن حکیم کی اطاعت کی جائے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد براہِ راست آپ سے استفادہ نہیں کیا جا سکتا۔ اب اطاعت کی اس کے سوا اور کیا صورت ہو سکتی ہے کہ آپ کے ثابت شدہ اقوال و افعال کو زندگی کے تمام شعبوں میں رہنما مانا جائے۔ یہاں یہ کہنا بھی بے بنیاد ہے کہ اطاعت کا لفظ صرف زندوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے گزرے ہوئے انسانوں کی پیروی پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ قرآن یا مستند لغت عرب سے کہیں بھی اس قسم کی تحدید ثابت نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلے خطبے کے یہ الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ اس بارے میں کسی قسم کی زمانی حد بندی قطعاً غلط ہے خلیفۂ اول نے فرمایا اطیعونی ما اطعت اللہ و رسولہٗ (سیرۃ ابن ہشام ج ۴ ص ۳۴۳۔ طبری ج ۳ ص ۲۰۳) یہاں حضرت

ابوبکر جیسے اہلِ زبان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت کر جانے کے بعد آپ کی پیروی کے لیے لفظ اطاعت استعمال کیا ہے۔

۲۔ وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا (پ ۵۔ سورۃ النساء۔ آیت ۱۱۵)

اس آیت میں "سبیل المومنین" کو ترک کر کے کسی دوسری راہ اختیار کرنے پر شدید وعید سنائی گئی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ سنت کے بارے میں تیرہ سو سال کے طویل عرصہ میں "سبیل المومنین" کیا رہا ہے۔ خوارج اور معتزلہ میں سے چند افراد کے سوا تمام سلف و خلف اس بات پر متفق ہیں کہ سنت ماخذ شریعت اور فہم دین کے لیے ایک اہم ذریعہ ہے جسے کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ متفقہ عقیدہ امت میں اسی تواتر سے منقول ہوتا چلا آ رہا ہے جس تواتر سے قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا شروع سے اب تک مشہور و معروف ہے۔ اس معاملہ میں چند منتشر افراد کی غوغا آرائی امت کے اس متفق علیہ عقیدے پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ ورنہ پھر خود قرآن کی قطعیت بھی مشتبہ ہو کر رہ جائے گی۔ شہرستانی نے لکھا ہے کہ خوارج میں سے فرقہ عجاردہ (میمونیہ) سورۂ یوسف کے الہامی ہونے کا قائل نہ تھا۔ (الملل والنحل صفحہ ۱۳۶) اب کیا اس شرذمہ قلیلہ کے اختلاف سے قرآن کے بارے میں امت کا اجماعی فیصلہ مخدوش ہو سکتا ہے؟

۳۔ اطیعوا اللہ والرسول ۔ (پ ۳۔ سورۂ آل عمران ۳۲)

یہاں اطاعتِ رسول کا اسی طرح مطالبہ کیا گیا ہے جس طرح آیت فآمنوا باللہ ورسولہ (پ ۲۸ الحدید) میں ایمان بالرسول پر زور دیا گیا ہے۔ جس طرح ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسول بھی لازمی ہے محض ایمان باللہ سے ایمان بالرسول کا مطالبہ پورا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت بھی ضروری ہے محض اللہ کی اطاعت، اطاعتِ رسول کے مطالبہ کو پورا نہیں کر سکتی۔ اس مفہوم کی آیات میں ترتیب کلام کا جو انداز اختیار کیا گیا ہے اس سے اتنا فرق ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اللہ (قرآن) کی اطاعت بہر حال رسول (سنت) کی اطاعت پر مقدم ہو گی۔

۴۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ

(پ۱ البقرہ ۱۲۹-پ۲ (۱۵۱) ترتیب کلام میں تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ یہی الفاظ آل عمران-۸۱) پ۲۸ سورۃ الجمعہ ۲ میں بھی ملتے ہیں۔

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار اوصاف بیان کیے گئے ہیں (۱) تلاوت آیات۔ (۲) تعلیم کتاب (۳) تعلیم حکمت (۴) تزکیہ۔ یہاں تلاوتِ آیات اور تعلیم کتاب دو جداگانہ اوصاف ہیں تلاوت کے معنی ہیں پڑھ دینا' اور تعلیم کے معنی ہیں سکھانا معلم جب کسی کتاب کی تعلیم دیتا ہے تو اپنے الفاظ میں اس کی تشریح کرتا ہے۔ اجمال کی گرہیں کھولتا ہے۔ معنی کے ابہام و اشتراک کی صورت میں مصنف کی اصل مراد کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اور بعض دفعہ اُسے عملی نقشہ کھینچ کر سمجھانا پڑتا ہے۔ یہ نہ ہو تو تعلیم کتاب کا اصل مقصد ہی حاصل نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ۲۳ سالہ زندگی میں اس منصب کے تمام تقاضے باحسن وجوہ پورے کر دکھائے۔ اس طرح سنت کا وہ ذخیرہ جو قرآنی اجمالات کی شرح کرتا ہے تعلیم کتاب کے ماتحت آجاتا ہے مثلاً قرآن حکم دیتا ہے اقیموا الصلوٰۃ لیکن اس اجمال کی پوری تفصیل حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول و عمل سے پوری امت کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا وصف تعلیم حکمت بیان کیا گیا ہے اس سے انکار نہیں کہ قرآن بھی سراپا حکمت ہے لیکن واو عطف کے ساتھ کتاب کے بعد الحکمۃ کا ذکر واضح کرتا ہے کہ یہاں قرآن کے علاوہ دوسری شے مراد ہے۔ اب ظاہر ہے کہ قرآن کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے سوا اور کیا چیز حکمت قرار دی جاسکتی ہے۔ اس حکمت و دانائی کے اعلیٰ نمونے ہمیں آپ کے اجتہادی فیصلوں میں نظر آتے ہیں جو آپ نے قرآنی بصیرت کی بناء پر فرمائے ہیں۔ مثلاً قرآن میں ہے ان تجمعوا بین الاختین یعنی دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھوپھی، بھتیجی اور خالہ، بھانجی کو بھی بیک وقت نکاح میں رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کی علت اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ اسلام صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے لیکن اس قسم کے رشتے قطع رحمی کا سبب بن جاتے ہیں۔

ممانعت کی یہ علت خود ساختہ نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ارشاد فرمائی ہے۔ واذا فعلتم ذالك فقد قطعتم ارحامکم (ابن حبان-نیل الاوطار، الموافقات للشاطبی ج ۳ ص ۱۹۲ طبع رجب

تم یہ کر گے تو اپنے رشتے کاٹ ڈالو گے۔

توضیح مدعا کے لیے مزید مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ قرآن نے ایک واضح اصول کے ماتحت نواقض وضو کی ایک مختصر فہرست پیش کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اصول کی روشنی میں دُبر سے خارج شدہ ریح اور نیند کو بھی نواقض وضو میں سے شمار کیا ہے۔

۲۔ قرآن نے خمر کو حرام قرار دیا ہے لفظ خمر سے بظاہر شراب کی اتنی ہی مقدار کی حرمت ثابت ہوتی ہے جو نشہ آور ہو۔ لیکن حدیث نے واضح کر دیا ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام یعنی جس مشروب کے دس قطرے نشہ آور ہوں اُس کا ایک قطرہ بھی حرام ہے۔

۳۔ قرآن نے میتہ کو حرام ٹھہرایا ہے۔ بظاہر لفظ "میتہ" مردار کی ہر نوع کو شامل ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت میتہ کی اصل علت کو سامنے رکھتے ہوئے مردہ مچھلی اور ٹڈی کو حلال قرار دیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تعلیم کتاب کے تحت سنت کا وہ ذخیرہ آجاتا ہے جو قرآن کے کسی اجمال کی تشریح کرتا ہے۔ اور تعلیم حکمت سے سنت کا وہ حصہ مراد ہے جو قرآنی اصول و کلیات کی روشنی میں کیے ہوئے اجتہادی فیصلوں پر مشتمل ہے۔

چند شبہات کا ازالہ ۱۔ ازواجِ رسول کو قرآن میں حکم دیا گیا ہے:۔

(ا) وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ۔ (پ ۲۲۔ الاحزاب۔ ۳۴)

جس سے معلوم ہوا کہ "حکمت قرآن میں شامل ہے ورنہ حدیثوں کی کون تلاوت کرتا ہے۔" یہاں اردو زبان کے محاورے میں تلاوت کا جو مفہوم ہے اُسے مندرجہ بالا آیت پر چسپاں کر کے پُرفریب مغالطہ دینے کی سعی کی گئی ہے۔ عربی میں تلاوت کے معنی پڑھنے اور پیروی کرنے کے ہیں۔ لیکن اُردو میں تلاوت کا یہ لفظ تقریباً کے ہم معنی ہے۔ خود قرآن مجید میں تلاوت کا یہ لفظ غیر قرآن کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً

قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (پ ۴۔ سورۂ آل عمران۔ آیت ۹۴)

(ب) وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ ۔ ترجمہ:۔ اور انہوں نے پیروی کی اُس کی جو شیاطین حضرت سلیمان کے عہد میں پڑھا کرتے تھے۔ (پ ۱۔ البقرہ۔ آیت ۱۰۱)

۲۔ قرآن میں ہے "ہم نے لقمان کو حکمت دی"۔ کیا لقمان کو خاتم النبیین کی حدیثیں دی گئی ہیں"

یہاں پھر مغالطہ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اصل میں دعویٰ یہ نہیں ہے کہ لغتِ عرب میں حکمت کے معنی ہی سنت کے ہیں یا قرآن میں جہاں کہیں بھی حکمت کا لفظ آیا ہے اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مراد ہے۔ بلکہ استدلال یہ ہے کہ قرآن حکیم میں الکتاب (قرآن) کے ساتھ جہاں کہیں الحکمۃ کا ذکر ہے اس سے مراد سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ کیونکہ قرآن کے بعد اگر کسی چیز کو حکمت قرار دیا جا سکتا ہے تو وہ سنتِ رسول ہی ہو سکتی ہے۔ اس استدلال کو پوری تفصیل کے ساتھ امام شافعی نے اپنی بلند پایہ تصنیف کتاب الام ج ۷ میں بیان کیا ہے۔

۳- وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ (پ۱۴ - النحل - ۴۴) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت (نعوذ باللہ) پوسٹ مین کی سی نہ تھی کہ الکتاب لانے اور امت کے حوالہ کر کے رخصت ہو گئے۔ بلکہ خود قرآن آپ کو منصبِ تبیین عطا کرتا ہے۔ اب یہ الذکر (قرآن) کی تبیین آپ نے کس طرح فرمائی اس کی مختلف انواع ذیل کی تفصیل سے معلوم ہو سکتی ہیں۔

۱- قرآنی اجمال کی تفصیل | الف۔ مثلاً اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ۔ رکعاتِ صلوٰۃ۔ آدابِ صلوٰۃ۔ اسی طرح شرح نصابِ زکوٰۃ اور اس قسم کے دوسرے متعلقہ اہم مسائل ہم کو حدیث میں ملتے ہیں۔

ب۔ اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا۔ آیت میں چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم موجود ہے مگر کتنا ہاتھ اور کتنی چوری پر؟ تو یہ سب تفصیلات ہم کو حدیث میں ملتی ہیں۔

۲- معنی مقصود کی تعیین | یعنی ایک لفظ جو قرآن میں استعمال ہوا ہے وہ لغوی لحاظ سے کئی معنی کا محتمل ہے یا ایک ہی معنی اپنے اندر بسط و سعت رکھتا ہے۔ لیکن سنت نے تعیین یا تحدید کر دی ہے۔ مثلاً:

الف۔ قرآن میں ہے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ (پ۷ - سورۃ الانعام - ۸۱) "جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا تو انہی لوگوں کے لیے امن ہے اور یہ لوگ راہ یاب ہیں۔"

روایات میں ہے کہ صحابہ نے اس آیت کو سن کر کہا تھا کہ اَیُّنَا لَمْ یَظْلِمْ؟ ہم میں سے کون ہے جو ظلم سے آلودہ نہ ہوا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پریشانی کو اس طرح دور فرمایا کہ یہاں ظلم سے مراد

شرک سے ہے (بخاری)۔ اس تفسیر کی تائید قرآن کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمان)، اگر اس پیغمبرانہ تفسیر کو نہ تسلیم کیا جائے تو لازم آئے گا کہ ظلم کی ہر قسم کا ارتکاب ایک مسلمان کو امن اور نجات سے کلیۃً محروم کردے گا کیونکہ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ میں انداز حصر اسی کا متقضی ہے۔ حالانکہ اصل صورت حال یوں نہیں ہے (اس طرح تو خوارج کے عقیدے کی تائید ہوتی ہے)

(ب) وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (پ التوبہ ۳۴)۔ کنز کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ لغوی لحاظ سے اس کی کوئی تخصیص نہیں ہے کہ وہ رقم تھوڑی ہو یا زیادہ لیکن جب حضرت عمرؓ نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا جس جمع شدہ رقم کی زکوٰۃ ادا کردی جائے وہ کنز شمار نہیں ہوگی۔ (ابن ماجہ۔ کتاب الزکوٰۃ)

دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں ان اللہ لم یفرض الزکوٰۃ الا لیطیب بھا ما بقی من اموالکم۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ فرض نہیں کی مگر اس لیے کہ اس کے ذریعہ باقی ماندہ مال کو پاک کردے (ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ)

۳۔ واقعاتی پس منظر کی وضاحت | یعنی قرآن میں عہد نبوی کے مختلف واقعات ملتے ہیں لیکن انداز بیان اتنا مختصر ہے کہ جب تک سنت کے ذریعے پورا پس منظر سامنے نہ آجائے اصل واقعہ کے تمام خدوخال نمایاں نہیں ہوسکتے۔ مثلاً (الف) واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انھا لکم (پ۹ الانفال ۷) اس آیت میں غزوۂ بدر کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن اس بارے میں مفصل معلومات حدیث سے واضح ہوسکتی ہیں اسی طرح وعلی الثلاثۃ الذین خلفوا (پ التوبہ ۱۱۸)، عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ اور اس قسم کی دوسری آیات کو اس موقعہ پر پیش نظر رکھنا چاہیے۔

۴۔ شرائط و موانع کی توضیح | یعنی قرآن ایک حکم دیتا ہے لیکن اس کے نفاذ کی شرائط کیا ہیں، موانع کونسے ہیں۔ ان کی تفصیلات سنت سے معلوم ہوتی ہیں۔ یا ایک حکم بظاہر عام ہوتا ہے لیکن سنت میں مستثنیات کی فہرست بیان کردی جاتی ہے۔

مثلاً (الف) قرآن میں ہے واحل لکم ما وراء ذٰلکم (پ۵ سورۃ النساء آیت ۲۴) لیکن یہ حدیث کہ [illegible] ہیں اس کی وضاحت اور اس باب میں شرائط کی پوری تفصیل حدیث ہی سے ملتی ہے۔

(ب) قرآن میں ہے یُوصِیکُمُ اللّٰہُ فِیٓ اَولَادِکُم لِلذَّکَرِ مِثلُ حَظِّ الاُنثَیَینِ (پ ۴ نساء آیت ۱۱) "اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو وصیت کرتا ہے کہ مرد کے لیے دو عورتوں جیسا حصہ ہے۔" یہاں اولاد کے وارث ہونے کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔ حدیث میں وضاحت ہے کہ اختلاف مذہب، اور قتل موانع ارث میں سے ہیں یعنی کافر بیٹا اور باپ کا قاتل وارث نہیں ہو سکتا۔

(ج) قرآن میں ہے مِن بَعدِ وَصِیَّۃٍ تُوصُونَ بِہَآ اَو دَینٍ (پ ۴ نساء۔ ۱۱) "اس وصیت کے بعد جو تم کرتے ہو اور قرض کی ادائیگی کے بعد" یہاں وصیت کے جواز کے لیے عام حکم ملتا ہے لیکن حدیث میں ہے کہ ایک تہائی سے زیادہ وصیت نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ اس طرح اصل قریبی رشتہ داروں کی حق تلفی ہوتی ہے۔

(د) قرآن میں میتہ (مردار) کو حرام قرار دیا گیا ہے لیکن حدیث میں اس حکم سے دو حیوانات کو مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ مچھلی اور ٹڈی۔

۵۔ قرآنی اصول و کلیات کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہادی فیصلے۔ مثلاً:

قرآن آپ کا منصب بیان کرتا ہے یُحِلُّ لَہُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیہِمُ الخَبٰٓئِثَ (پ ۹۔ الاعراف ۱۵۷) یعنی پاکیزہ چیزیں ان کے لیے حلال کرتا ہے اور خبیث و ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے۔

آپ اس اصول کی روشنی میں گدھا، کتا، پھاڑنے والے جانور، پنجے دار پرندے حرام ٹھہراتے ہیں۔

۶۔ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوہُ وَمَا نَہٰکُم عَنہُ فَانتَہُوا (پ ۲۸۔ سورہ حشر) "جو رسول تمہیں دے اُسے لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز آجاؤ۔"

سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا نزول مال فئے کے بارے میں ہوا ہے لیکن ساتھ ہی الفاظ کے عموم سے جو ایک عام حکم اور کلی قاعدہ معلوم ہوتا ہے اس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ اس بنا پر حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس آیت کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے ایک عورت کو وشم سے منع کیا اور آیت ما اتاکم الرسول پڑھتے ہوئے فرمایا "اس سے وشم (جسم گدوانے) کی بھی ممانعت ہو گئی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لعن اللہ الواشمات (صحیح بخاری پ ۲۸ سورہ حشر)

۷۔ مَن یُّطِعِ الرَّسُولَ فَقَد اَطَاعَ اللّٰہَ (پ ۵۔ سورہ نساء۔ ۸۰) "جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی"

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں یطع الرسول سے قرآن کی اطاعت مراد نہیں ہے بلکہ سنت کی پیروی مراد ہے۔ کیونکہ قرآن کی اطاعت کے بارے میں تو کسی کو شک ہی نہیں تھا کہ وہ اللہ کی اطاعت نہیں ہے۔ اگر کچھ وہم ہو سکتا تھا تو وہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہو سکتا تھا کہ اس کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہوگی یا نہیں۔ مندرجہ بالا آیت نے اس قسم کے وہم کی جڑ کاٹ دی ہے۔ اس آیت کا سا انداز حسب ذیل دو آیتوں میں بھی ملتا ہے:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (پ ۹ - الانفال - ۱۷) "اور آپ نے نہیں (تیر) پھینکے جبکہ آپ نے پھینکے لیکن اللہ نے پھینکے"

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ (پ ۲۶ - الفتح - ۱۰) "بلاشبہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں بس وہ تو اللہ سے بیعت کرتے ہیں"

آپ کا فعل رمی یا مسلمانوں کا آپ سے بیعت کرنا خدا کے حکم سے تھا اس لیے ان دونوں افعال کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ اسی طرح رسول کی اطاعت بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہے اس لیے اسے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔

۸ - لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا (پ ۱۸ - سورہ النور - ۶۳) "یعنی رسول کی پکار کو آپس میں ایک دوسرے کی پکار کی طرح نہ قرار دو"

قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (پ ۱۸ - نور - ۶۳) "بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں سے پناہ لیتے ہوئے کھسک جاتے ہیں، پس چاہیے کہ ڈریں وہ لوگ جو اس (نبی) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں کہ مبادا ان کو کوئی فتنہ دبوچ لے یا دردناک عذاب آگھیرے"

اس آیت میں رسول کی دعوت (پکار) کو آپس میں ایک دوسرے کی پکار کے برابر قرار دینے سے روکا گیا ہے۔ اب اگر رسول کی حیثیت صرف صاحب امر کی مان لی جائے تو پھر کدعاء بعضکم بعضا کے کیا معنی ہوں گے کیونکہ صاحب امر بھی تو امت ہی کا ایک فرد ہوتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ نبی کے ارشادات امت کے تمام

افراد سے بالاتر ہیں۔ ہر امتی سے خطا ہو سکتی ہے لیکن نبی اپنے قول و فعل میں خطا سے پاک ہوتا ہے۔ اگر کبھی اس سے اجتہاد میں لغزش ہو بھی جاتی ہے تو فوراً وحی الٰہی اس کی رہنمائی کرتی ہے۔

۹ - وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ (پ۲۲ سورہ احزاب - ۳۶) "اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دیں تو ان کے لیے اختیار کی گنجائش باقی رہ جائے"۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو الگ الگ واو عطف کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ دونوں کے مصداق بھی علیحدہ علیحدہ ہیں یعنی قضاء اللہ سے قرآن اور قضاء الرسول سے سنت مراد ہیں۔

۱۰ - وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۚ (پ۵ سورۃ النساء - ۶۱) "جب ان سے کہا جائے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے اور رسول کی طرف تو آپ دیکھیں گے کہ منافقین کس طرح آپ سے اعراض کیے چلے جاتے ہیں"۔

اس آیت میں دو لفظ قابل غور ہیں۔ الیٰ ما انزل اللہ ۔ والی الرسول پہلے لفظ سے مراد تو قرآن مجید ہے اب الی الرسول کے کیا معنی ہیں۔ کیا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے سوا بھی کچھ مراد لیا جا سکتا ہے قرآن مجید میں اس قسم کی بیسیوں آیات ہیں آخر کہاں کہاں واؤ عاطفہ کو واؤ تفسیریہ قرار دے کر اطاعتِ رسول کو اطاعتِ قرآن ہی ٹھہرایا جائے گا۔ کس کس جگہ الرسول سے مرکزِ ملت مراد لے کر رسول کی امتیازی حیثیت کو ختم کیا جائے گا۔ جب حقیقی معنی بنتے ہوں تو مجازی اور بناوٹی معنی پر اصرار کرنا آخر کونسی دانشمندی ہے۔ مجازی معنی کے لیے بھی قرائن کی ضرورت ہوتی ہے یونہی حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کا راگ الاپا نہیں جا سکتا۔

خبرِ واحد کی حجیت[1] | ۱۱۔ اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا (پ۲۶ الحجرات)

[1] محدثین کی اصطلاح میں حدیثِ متواتر کے علاوہ تمام روایات کو خبرِ واحد ہی شمار کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کے مختلف اقسام عزیز، غریب، مشہور قربت و یقین کے اعتبار سے الگ الگ مدارج رکھتے ہیں۔ خبر متواتر وہ ہے جس کے راوی ہر دور میں اتنے ہوں کہ عادۃً ان کا اتفاق کذب پر محال سمجھا جائے۔

اس آیت میں فاسق کی خبر کے بارے میں چھان بین کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر راوی (خبر دینے والا) ثقہ ہو تو اس کی خبر قابل اعتماد ہوگی۔ اسی آیت کو سامنے رکھتے ہوئے محدثین نے رواۃ حدیث کی امکانی حد تک خوب تحقیق کی اور اسماء الرجال جیسا عظیم الشان فن مدوّن کر ڈالا۔

۲۔ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (پ ۱۱ - سورۃ التوبہ - ۱۲۳)

عربی زبان میں طائفہ کا اطلاق فرد اور گروہ دونوں کے لیے آتا ہے۔ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ (پ ۱۸ - سورۃ نور - ۲) کی تفسیر میں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں (الواحد فما فوقہ) (المختار من الصحاح)
اسی طرح ان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا (پ ۲۶ الحجرات) میں طائفۃ سے فرد اور طائفہ دونوں مراد ہیں۔
اس وضاحت کی بنا پر مذکورہ بالا آیت اس بارے میں صریح طور پر ناطق ہے کہ دینی معاملات میں ایک فرد یا دو تین افراد کی خبر یا روایت قابل اعتماد ہوگی۔

۳۔ وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ (پ ۲۰ القصص ۲۰)
ایک شخص کے خبر دینے سے حضرت موسیٰ گھر چھوڑ کر نکل کھڑے ہوتے ہیں۔

۴۔ قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا (پ ۲۰ قصص ۲۵) "حضرت شعیبؑ کی صاحبزادی نے حضرت موسیٰ سے کہا میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ کو پانی پلانے کی مزدوری ادا کریں۔"
دینی معاملات ہوں یا دنیاوی کاروبار، خبر واحد پر اعتماد کیے بغیر چارہ نہیں ہے۔ ہاں اگر کہیں شک کی صورت ہو تو دوسرے قرائن کو بھی تلاش کیا جا سکتا ہے۔ محدثین نے اصول روایت میں اس پہلو کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔

۵۔ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ (پ ۲۸ - سورۃ طلاق - ۲)

قرآن حکیم نے متعدد مقامات پر عادل شاہدوں کی گواہی کو قابل اعتماد ٹھہرایا ہے۔ اگرچہ شہادت اور روایت میں بہمہ وجوہ یکسانیت نہیں ہے تاہم اس حکم سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے اہم معاملات کے بارے میں محض دو عادل گواہوں کی شہادت پر قاضی فیصلہ دے سکتا ہے۔ اسی طرح انہی صفات سے

متصف عادل راویوں کی روایت کیوں نہ قبول ہوگی۔ [۱]

آیات متعلقہ انکارِ حدیث کی صحیح تاویل تَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (الاعراف۔ ۱۴۵) تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (نحل ۸۹) کہا جاتا ہے کہ جب قرآن کا خود اعلان ہے کہ ہر مسئلہ کی تفصیل اس میں موجود ہے تو پھر قرآن سے باہر جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ان آیات کا صحیح مطلب یہ ہے کہ قرآن نے دین کے بنیادی اصول اور مہات شریعت کو بغیر کسی اینچ پینچ کے پوری وضاحت و تفصیل سے بیان کر دیا ہے کہ اشتباہ و ابہام کا شائبہ تک بھی باقی نہیں رہا ہے۔

یہاں لفظ کل حقیقی استغراق (ایسا عموم جو تمام افراد کو شامل ہو) کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ کل ایسا ہی ہے جیسا مندرجہ ذیل آیات میں ہے:

(الف) ثُمَّ كُلِي مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ (پ ۱۴۔ نحل۔ ۶۹) "پھر تو کھا ہر قسم کے پھلوں میں سے۔"

(ب) وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ (الحج۔ ۲۷)

(ج) وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ (نمل ۲۳۔ پ ۱۹)

ظاہر ہے کہ یہاں تمام قسم کے پھل، اونٹوں کے تمام افراد اور ہر قسم کی تمام چیزیں مراد نہیں ہیں۔ آخری آیت وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ پر مزید غور کر لیا جائے۔ یہاں ملکہ سبا کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اُسے ہر قسم کی چیزوں میں سے عطا کیا گیا تھا یعنی امور سلطنت سے متعلق تمام بنیادی لوازمات اس کے پاس موجود تھے۔

---

[۱] یہاں یہ بات بھی واضح رہے ایک مسلمان کی جان و مال کی حرمت قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ قطعیت اس شکل میں باقی نہیں رہتی جبکہ عدالت میں دو گواہوں کے ذریعے اس کا قاتل ہونا ثابت کر دیا جائے، ظاہر ہے کہ دو گواہوں کی شہادت ظن اور گمان غالب سے آگے نہیں بڑھ سکتی، غور کیا جائے کیا یہاں ایک قطعی الثبوت حکم کی تخصیص ظنی الثبوت معاملہ کے ذریعہ نہیں کی جا رہی ہے؟

[۲] اس تحریر میں کوشش کی گئی ہے کہ ان آیات کا صحیح مفہوم واضح کیا جائے جن کو منکرین حدیث عام طور پر غلط معنی پہنا کر حدیث سے بے اعتمادی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس طرح دو فائدے حاصل ہوں گے (۱) قرآن کے بعض اہم مقامات کی صحیح تاویل و تشریح قارئین کرام کے سامنے آجائے گی (۲) منکرین حدیث کی علمی صلاحیت و دیانت کی حقیقت بھی بے نقاب ہو جائے گی کہ کس طرح انہوں نے خدمت قرآن کے پردے میں حقائق قرآنی کو توڑا مروڑا ہے اور اپنے مقاصد کی خاطر آیات الٰہی معنوی تحریف سے بھی باز نہیں آئے ہیں

یہ لفظ کل اس موقع پر استعمال ہو رہا ہے جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس لوازمات حکومت و مملکت ملکہ سبا سے کہیں زیادہ تھے۔

باقی رہا یہ دعویٰ کہ قرآن تمام اصول و فروع اور کلیات و جزئیات کو تفصیلاً بیان کرتا ہے تو یہ ایسی خام خیالی ہے کہ جو حقیقت اور مشاہدے کے یکسر خلاف ہے۔ قرآن نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا ہے کہ ان سے متعلق مسائل تفصیلاً تو کجا اجمالاً بھی قرآن میں نہیں ملتے۔ عقلاً بھی یہ درست نہیں ہے کہ قرآن ہر قسم کی تفصیلات پر مشتمل ہوتا۔ پھر تو اس کی یہ خوبی بھی بیان نہ کی جاسکتی۔ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ (عنکبوت ۴۹)

"بلکہ وہ روشن نشانیاں ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جو علم کی نعمت سے نوازے گئے ہیں"

۲۔ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ (انعام ۳۸) "ہم نے کتاب میں کسی چیز کو بھی نہیں چھوڑا ہے۔

صحیح مفہوم سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پوری آیت کو سامنے رکھا جائے،

وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ "زمین میں کوئی جانور نہیں ہے اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے بازوؤں سے اڑتا ہو مگر یہ کہ وہ تمہاری طرح امتیں ہیں، پھر تم اپنے رب کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔

سیاق وسباق بتلا رہا ہے کہ یہاں الکتاب سے مراد علم الٰہی ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ "اور جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے، کوئی پتہ نہیں جھڑتا مگر وہ اسے جانتا ہے اور نہ کوئی دانہ ہے زمین کی تاریکیوں میں اور نہ کوئی تر چیز ہے اور نہ خشک مگر یہ کہ وہ کتاب مبین میں موجود ہے"۔

(نیز ملاحظہ ہو سورہ سبا آیت ۳)

بالفرض اگر یہاں الکتاب سے قرآن ہی مراد لیا جائے تب بھی اس سے سنت کا انکار لازم نہیں آتا۔ اس کا مطلب وہی ہوگا جو تبیاناً لکل شیء کے ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ

یُؤْمِنُوْنَ (پ۲۱ عنکبوت)۔ اس آیت کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ جب قرآن ہمارے لیے کافی ہے اور سراپا رحمت و نصیحت ہے تو پھر سنت و حدیث کے سہارے کی کیا ضرورت ہے۔ یہاں بھی ہوشیاری کے ساتھ آیت کو اصل سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے پیش کیا گیا ہے۔ یہ استدلال لا تقربوا الصلوٰۃ سے کم مضحکہ خیز نہیں ہے۔

اس سے پہلے کی آیت میں مشرکین مکہ کے اس مطالبہ کو نقل کیا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نشانیاں کیوں نہیں دکھاتے۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۔ "انہوں (مشرکین مکہ) نے کہا اس (نبی) پر اس کے رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں نازل ہوتیں۔ کہہ دیجیے نشانیاں اللہ کے اختیار میں ہیں، میں صرف کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں۔"

اس کے بعد فرمایا اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ یعنی یہ مشرکین حسی نشانیاں کیوں طلب کرتے ہیں۔ ان کے پاس تو سب سے بڑی نشانی اللہ کی کتاب آ چکی ہے کیا وہ کافی نہیں ہے۔ اس روشن اور عظیم ترین معجزے کے ہوتے ہوئے جو سراپا رحمت و نصیحت ہے دوسرا معجزہ طلب کرنا بے عقلی نہیں تو اور کیا ہے۔ سیاق و سباق سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں سنت و حدیث سے کوئی بحث نہیں ہے۔ اصل مقصود تو مشرکین کے مطالبہ کا جواب دینا ہے۔

۴۔ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ (پ۷) "اور میری طرف یہ قرآن اتارا گیا ہے تاکہ میں تم کو اس کے ذریعہ سے آگاہ کروں اور ان کو بھی جن تک یہ پہنچے۔"

دوسری جگہ ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ (پ۱۷) "کہہ دے کہ میں تم کو وحی کے ذریعے سے آگاہ کرتا ہوں۔"

ان آیات کی تشریح میں حافظ اسلم صاحب جیراج پوری لکھتے ہیں[1]

"یہ حصر ہے کہ سرمایۂ انذار صرف قرآن ہے اور وہی لوگوں کے آگاہ کرنے کے لیے وحی کیا گیا ہے اسی کو آنحضرت نے لکھوایا اور لوگوں کو یاد کرایا۔"

---

[1] رسالہ علم حدیث ص... شائع کردہ طلوع اسلام

یہاں بڑی ہوشیاری سے دونوں آیات کے مطالب کو خلط ملط کر کے یہ معنی لیے گیے ہیں کہ سرمایہ انذار صرف قرآن ہے۔ پہلی آیت میں بغیر کسی حصر کے یہ کہا گیا ہے کہ میری طرف قرآن وحی کیا گیا ہے "تاکہ اس کے ذریعے سے میں تم کو اور جن کو یہ آواز پہنچے ڈراؤں۔ اس آیت میں اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ قرآن کے علاوہ آپ پر کوئی دوسری وحی نازل نہیں ہوتی تھی۔ ہاں دوسری آیت میں حصر کا لفظ اِنَّمَا موجود ہے لیکن وہاں قرآن کے بجائے وحی کا لفظ ہے جو سلف سے خلف تک پوری امتِ مسلمہ کے نزدیک سنت کو بھی شامل ہے۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ بغیر کسی مغالطہ آمیزی کے کیا قرآن میں کوئی ایسی آیت دکھائی جا سکتی ہے جو واضح طور پر یہ بتلائے کہ وحی کے طور پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سوائے قرآن کے اور کوئی چیز نازل نہیں ہوئی؟

قرآن میں معنوی تحریف مذکورۂ بالا تفصیلات کے بارے میں تو کسی حد تک یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ کسی غلط فہمی کی بنا پر ان آیات سے سنت کے خلاف استدلال کیا گیا ہو۔ لیکن مندرجۂ ذیل استدلال تو قرآنی تحریف اور حدیث دشمنی کا کھلا ہوا شاہکار ہے، اس طرزِ عمل کو سامنے رکھتے ہوئے تو باور نہیں کیا جا سکتا کہ سنت کی مخالفت دیانتدارانہ طور پر محض غلط فہمی کی بنا پر کی جا رہی ہے۔

(۵) وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ (سورۂ لقمان) اس آیت کا ترجمہ حافظ اسلم صاحب کے قلم سے اس طرح شائع ہوا ہے:

"اور لوگوں میں سے وہ ہیں جو حدیث کے مشغلہ کے خریدار ہوتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں"

(علم حدیث ص۔ مقام حدیث ج ۱ ص ۱۵۶)

حدیث کے معنی عربی زبان میں بات کے ہیں۔ اس لغوی معنی کے اعتبار سے حدیث کا لفظ خدا کی بات رسول کی بات، صحابہ اور عام مسلمانوں کی بات، بلکہ کافروں کی بات اور شیطان کی بات پر بھی بولا جا سکتا ہے۔

(الف) اَللّٰهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا "اللہ نے ملتے جلتے مضامین والی بہترین حدیث نازل فرمائی ہے" یہاں قرآن کو احسن الحدیث کہا گیا ہے۔

(ب) وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا (پ۲۸۔ سورۂ تحریم)

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سرگوشی کو حدیث سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(ج) وَلَا مُسْتَأْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ (پ۲۲۔ الاحزاب) "اور نہ مشغول ہوتے ہوئے باتوں میں"

یہاں صحابہ اور عام مسلمانوں کی گفتگو پر لفظ حدیث کا اطلاق کیا گیا ہے۔

(د) حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ یعنی کافر و مشرک اگر اپنی مجالس میں اسلام کا مذاق اڑاتے ہوں تو ان کی ہم نشینی سے اجتناب کیا جائے الا یہ کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں۔ اس موقع پر اعداء اسلام اور کفار و مشرکین کی گفتگو پر حدیث کا لفظ بولا گیا ہے۔

(ہ) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ ۔ یہاں ان تمام شیطانی باتوں اور ہتھکنڈوں کو لہو الحدیث قرار دیا گیا ہے جن سے انسان خدا سے غافل ہو کر انسانیت کے لیے گمراہی اور فساد کا باعث بن جاتا ہے۔

اس آیت کو حدیث کے اس اصطلاحی معنی سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے جو محدثین اور فقہاء کے توسط سے امت میں شروع سے منتقل ہوتا چلا آیا ہے۔ پھر یہ بھی واضح رہے کہ یہ آیت مکی سورتوں میں سے ہے۔ مکی دور میں مسلمان مشرکین مکہ کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے ان کو حدیث تو کجا قرآن کی کتابت و ترتیب کا موقع بھی بسہولت فراہم نہ ہوتا تھا۔ ان حالات میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ مکی زندگی کے پرآشوب زمانہ میں مسلمان حدیث کے مجموعے یا مشغلے خریدتے پھرتے تھے۔ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ کی اس سے بدترین مثال اور کیا ہوگی۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ:-

فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۔ (پ۵۔ سورۂ نساء ۷۸)

مطبوعات

بامِ رفعت (مجموعۂ کلام) جناب اثر صہبائی۔ شائع کردہ: اکادمی پنجاب، ادبی دنیا منزل لاہور۔ قیمت مجلد تین روپے۔

اثر صہبائی اردو زبان کے ایک مشہور شاعر ہیں جنہوں نے بے جا جدت طرازی کی رَو میں بڑے بغیر اپنا ایک سنجیدہ طرز پیدا کیا ہے۔ یہ چیز ہوتی آئی ہے کہ ادب و نظر کی دنیاؤں میں بیشتر کارواں نقطۂ مجاز سے چلے اور پھر بھٹکتے بھٹکاتے سیدھے مقامِ حقیقت پہ جا نکلے۔ اثر صہبائی کے خیال اور فن کی بھی سرگذشت یہی ہے۔ دراصل انسانی روح کا بچپن ہوتا ہے جبکہ وہ غایات و مقاصد کے میدانِ انتخاب میں چھوٹی چھوٹی خواہشوں کے پیچھے لپکتی ہے لیکن پیہم و درپے ٹھوکریں کھاتی ہے اور پھر ٹھوکر کھا کے بالیدگی ہے کہ کسی بلند تر غایت و مقصد کی طرف متوجہ کرتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ ہزار گم گشتگیوں کے بعد کسی مرحلے پر منزلِ جاناں نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔ وہ صرف ناکارہ روحیں ہوتی ہیں جو یا تو ہمیشہ کے لیے اپنے عالمِ طفولیت میں گم سم رہ جاتی ہیں، یا کوئی ٹھوکر کھا لینے کے بعد مایوسی و نامرادی کے گڑھے میں گر جاتی ہیں۔ جس روح میں جوہرِ خودی زندہ ہوتا ہے وہ پیہم تباہ افتادگیوں سے ابتلا کرنے کے باوجود اندیشۂ زندگی کی انتہا تک جا پہنچتی ہیں۔ اثر صہبائی کے فن میں جو روح منعکس نظر آتی ہے وہ اپنے جوہرِ خودی کے بل پر ٹھوکریں کھاتی ہوئی آگے بڑھتی گئی ہے اور بالآخر پہنچی وہیں یہ خاک جہاں کا خمیر تھا! خود اثر صہبائی سے یہ روداد سنیے:

ہم نے کتنی ہی ٹھوکریں کھائیں — جب کہیں راہِ راست پر آئے!
تھا نہ اک بھی نشان منزل کا — گو ہزاروں نشاں نظر آئے!

ابتدائی دورِ گم گشتگی کی کیفیات کا یہ شعر پوری طرح ترجمان ہے کہ:

رہینِ نالہ ہوں اک طفلِ گم شدہ کی طرح — اندھیری رات ہے اور وسعتیں بیاباں کی

اس طفلِ گم شدہ پر جو کچھ گذری وہ بھی ملاحظہ ہو:۔

میں نے چاہا تھا کہ اک پھول کو توڑوں لیکن — چبھ گیا خار بھی اور پھول بھی توڑا نہ گیا!
مدعا بھی نہ ملا اور دلِ مضطر بھی — ٹکڑے ٹکڑے ہوا اس طرح کہ جوڑا نہ گیا!